ازافادات مولانا سمیع الحق

ضبط وترتیب: مولوی شفیع اللہ پشاوری شریک دورۂ حدیث دارالعلوم حقانیہ

امام دار الہجرۃ — مالک بن انسؓ اور انکی موطا مالکؒ

—— مصنف —— تصنیف —— اور —— راوی ——

استاد محترم مولانا سمیع الحق صاحب نے دورۂ حدیث کی ایک اہم کتاب موطا امام مالک کے درس کے پہلے دو دن امام مالکؒ ان کی تصنیف اور راوی موطاء امام یحیٰ مصمودی کی سوانح اور علمی حیثیت پر مفصل اور سیر حاصل روشنی ڈالی جسے بعد میں احقر نے ٹیپ ریکارڈ سے من وعن قلمبند کرنے کی سعی کی۔ ایک عظیم امام مذہب کے حالات ویسے بھی عمومی افادیت کے حامل ہیں مگر ان دنوں جبکہ مدارس عربیہ کے طلبۂ دورۂ حدیث سالانہ امتحان وفاق المدارس کی تیاریوں میں مصروف ہیں اور مصنفین دورۂ حدیث کے بارہ میں سوالات بھی آسکتے ہیں، خاص طور پر ایسے طلبہ کیلئے یہ مضمون الحق کا ایک علمی تحفہ ثابت ہوگا۔

(شفیع اللہ۔ پشاوری)

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ رب العلمین والصلواۃ والسلام علی خاتم النبیین۔

"وقوت الصلوۃ" حدثنا یحیٰ بن یحیٰ قال اخبرنا مالک بن انس عن ابن شہاب ان عمر بن عبدالعزیز اخر الصلوٰۃ یومًا الحدیث الی آخرہ

اس کتاب کا نام موطا امام مالک ہے۔ یہاں چند امور "زیر غور" ہیں۔ ایک موطا یعنی کتاب کی وجہ تسمیہ اس کی خصوصیات اور محدثین کے ہاں اس کی قدر ومنزلت اور اس کی تدوین وترتیب کے متعلق بیان یہ گویا کتاب سے تعلق رکھتا ہے۔ دوسری بات مصنف (امام مالکؒ) کی مختصر سوانح اور ان کا مقام ومرتبہ۔ تیسری چیز پیش نظر کتاب کے راوی حضرت یحیٰ بن یحیٰ مصمودی الاندلسی کے متعلق کچھ بیان ہوگا۔ گویا تین باتیں ہیں (۱) کتاب کے متعلق (۲) مصنف کتاب کے متعلق (۳) راوی کتاب کے متعلق۔ یہاں آغاز سند میں تم نے حدثنا یحیٰ بن یحیٰ الخ پڑھ لیا تو یہ یحیٰ بن یحیٰ کون ہیں؟ وقت مختصر ہے لیکن مختصراً ایک دو اسباق میں۔ یہ چیزیں بیان ہوں گی جس کو ملحوظ رکھیں کیونکہ امتحان میں کبھی کتاب اور مصنف کے بارے میں پوچھا جاتا ہے مقصد یہ نہیں کہ ہم صرف ایسے مقامات پر محنت کریں اور اسے کسی طرح یاد کرکے پرچے میں منتقل کردیں یہ وبا بڑی عام ہورہی ہے کہ صرف مشکل مقامات سن کر تحریر کریں۔ اور پھر کسی طرح پرچوں میں منتقل کریں۔

پہلے صرف یونیورسٹیوں اور کالجوں میں یہ وبا تھی کہ امتحان کے قریب راتوں کو جاگ کر جلد جلد کچھ ذہن نشین کرکے اور اسے کسی طرح ٹھونس کر صبح پرچوں میں منتقل کردیا۔ پھر نہ فہم نہ یاد تو اس طرح کرنے سے علم حاصل نہیں ہوتا جیسے کوئی جانور جلدی جلدی ہڑپ کرتا جائے پھر اسے قے کرکے باہر پھینک دے تو ہمارے مدارس میں رفتہ رفتہ ایسی عادتیں عام ہورہی ہیں۔ اسباق میں حاضر نہیں ہوتے دو دو تین تین مہینے قبل ناغے شروع ہوجاتے ہیں۔ یہ افسوس کی بات ہے احادیث پڑھنے کا مطلب تو سماع ہے (یا شیخ کو سنانا یا شیخ سے سننا) اور سند متصل کرانا ہے چودہ سو سال سے اسی لئے یہ سلسلہ جاری ہے۔ بہرحال امام مالک ایک بڑے مذہب کے امام ہیں تو ویسے بھی ان کے حالات سے واقفیت اہل علم

کے لئے ضروری ہے۔

نام ونسب | الامام مالک بن انس بن مالکؒ جلیل القدر تابعی ہیں۔ روی عن عثمان وغیرہ صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں) ابن ابی عامر (ابو عامر نے یمن سے آکر مدینہ میں سکونت اختیار فرمائی۔ محدثین میں علامہ ذہبی وغیرہ نے ان کی صحابیت سے انکار کر دیا ہے۔ لیکن بعض کہتے ہیں کہ ابو عامر صحابی ہیں۔ شہد الغزوات مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم سوی بدر۔ یہ ابو عامر امام مالکؒ کے جدّ اعلیٰ (پردادا) ہیں۔ اور خاندان میں سب سے پہلے آپ مشرف بہ اسلام ہوئے)

ابن عمر بن الحارث ابن غیمان ابن خثیل (غیر معروف قول میں جثیل بالجیم بھی آیا ہے لیکن وہ شاذ قول ہے)

بن عمرو بن الحارث ذی اصبح

۔ اصبح ایک مشہور قبیلہ ہے۔ جو یعرب بن قحطان کے شاخوں میں سے ایک شاخ ہے جو حمیر کے شاخوں میں سے ہے۔ اسی وجہ سے امام مالکؒ کو اصبحی کہتے ہیں۔ یہ شجرہ نسب ہے۔

ولادت اور وفات | امام یافعی نے طبقات الفقہاء میں ۹۳ھ پیدائش لکھی ہے۔ مورخ ابن خلکان نے ۹۵ھ لکھی ہے۔ تیسرا قول ۹۰ھ کا بھی ہے۔ گویا تین اقوال ہیں۔ اور زیادہ راجح قول اول ہے۔ اور انتقال ربیع الاول ۱۷۹ھ میں فرمایا۔ اختلاف روایات کی وجہ سے چھیاسی۸۶ ۔ چوراسی۸۴ اور نواسی۸۹ برس کی عمر میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ آپ کی پیدائش اور وفات کی تاریخ ایک شاعر نے نظم میں جمع کی ہے۔

فخر الائمۃ مالک — نعم الامام السالک

مولدہ "نجم ھدیٰ" ۹۳ — وفاتہ "فاز مالک" ۱۷۹

طلب علم کی حرص | طلب علم کی بڑی حرص تھی۔ طالب علمی میں غربت کی حالت تھی۔ ظاہری سرمایہ کچھ نہ تھا۔ والد ماجد سے صرف ایک مکان رہ گیا تھا۔ اس لئے مکان کی چھت توڑ کر اس کی کڑیوں، کھڑکیوں اور شہتیروں کو فروخت کر کے کتابیں خریدیں اور طالب علمی کی ضروریات پوری کیں۔ ایسی حالت میں انہوں نے ذوق وشوق سے علم حاصل کیا۔ اور کیسے اکابر سے حاصل کیا؟

مشائخ واساتذہ | ان کے اکثر مشائخ واساتذہ مدینہ منورہ کے ہیں (کلھم مدنیون) کچھ غیر مدنی بھی ہیں۔ بہر حال امام مالکؒ کے سب سے بڑے استاد امام القراء حضرت نافع بن عبدالرحمٰن مولیٰ بن عمرؓ المتوفی ۱۱۷ھ تھے۔ امام مالک خود فرماتے ہیں کنت آتی نافعاً وانا غلام حدیث السن میں حضرت نافعؒ کے پاس آیا کرتا تھا اور میں کم سن لڑکا تھا نو عمری میں۔ حضرت نافعؒ کا تلمذ اختیار کیا۔ درس کو آتا جاتا تھا ان کی وفات تک بارہ برس ان کے درس میں شریک رہا۔ اس وجہ سے محدثین کے ہاں یہ سنہری سند ہے مالک عن نافع عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم محدثین کی اصطلاح میں اس کو سلسلۃ الذہب کہا جاتا ہے۔ سندوں میں یہ سنہری سلسلہ سند ہے۔ یعنی سونے کی زنجیر کی طرح بیش قیمت۔ مختصر یہ کہ تعلیمی زندگی تمام مدینہ منورہ میں گذری۔ اس لئے کہ مدینہ منورہ علوم کا مرکز دارالعلوم تھا دنیا کے گوشے گوشے سے اہل علم وفضل مدینہ منورہ آتے جاتے تھے۔ اس وجہ سے امام مالک نے طالب علمی میں سفر علم نہیں کیا۔ کیونکہ مدینہ طیبہ دنیا کا سب سے عظیم دارالعلوم تھا۔ اور جب گھر میں دارالعلوم ہو تو باہر جانے کی کیا حاجت ہے۔

تو امام مالکؒ نے سارے علوم مدینہ منورہ میں حاصل کیئے۔ کہا جاتا ہے کہ عن خمس[95] وتسعین مشایخا کلھم مدنیون غیر الستۃ (امام مالک نے جن شیوخ سے روایت کی ہے ان کی تعداد پچانوے ہے یہ سب اساتذہ مدنی ہیں۔ ان میں صرف چھ غیر مدنی ہیں۔ مگر یہ صرف مؤطا کے شیوخ کی تعداد ہے۔ ورنہ علامہ زرقانی نے نوسو (۹۰۰) سے بھی زائد تعداد بتائی ہے۔ لیکن زیادہ تر مؤطا کے شیوخ کی استقصا کی گئی ہے۔ اور ان کے حالات محفوظ ہوئے ہیں۔

علامہ زرقانی نے لکھا ہے کہ امام مالکؒ نے سترہ سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں درس و تدریس کا آغاز کیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کم عمری میں اس مقام کو پہنچے کہ لوگوں نے استفادہ اور تعلیم حاصل کی۔ نو عمری میں ان کی ذہانت اور ظرافت کا ہر طرف چرچا ہوگیا۔ مشکل سے مشکل مسائل پیش آتے تھے جو بڑے بڑے علماء اور مشائخ سے حل نہ ہوسکتے تو امام مالک اپنی ذہانت و حذاقت اور تبحر و تعمق سے اسے حل فرما دیتے۔ ان دنوں مدینہ منورہ میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ایک نیک اور پاک دامن خاتون کا انتقال ہوگیا تو جب ایک غاسلہ غسل دے رہی تھی عورتیں تو ہوتی ہیں کم عقل اور غیر محتاط مخلوق تو جب میت کو استنجا کرا رہی تھی اور میت کی شرمگاہ پر ہاتھ رکھ کر اس ظالم عورت نے کہا۔ کہ یہ کتنا زنا کار فرج ہے۔ لکھا ہے کہ یہ کہتے ہی اس حالت میں اس کا ہاتھ فرج سے چپک گیا۔ لوگوں نے اسے الگ کرنے کی کوشش کی لیکن ہاتھ جدا نہ ہوا۔ اس واقعہ کو بڑے بڑے علماء اور مشائخ کی خدمت میں پیش کیا گیا لیکن سب کے سب عاجز رہے اور کسی سے بھی یہ مسئلہ حل نہ ہوسکا۔ بالآخر یہ بات امام مالکؒ تک پہنچی۔ جو اس وقت سترہ اٹھارہ برس کے تھے۔ آپ نے حالات سن کر فرمایا کہ اس غاسلہ (غسل دینے والی) کو حد قذف لگائی جائے۔ ان کے ارشاد کے مطابق عمل کیا گیا۔ اور آخری دُرّہ لگنے پر ہاتھ فرج سے الگ ہوگیا۔ اب یہ حکم زندوں کے لئے تو مقرر ہے لیکن مُردوں کے لئے ایسی حالت میں امام مالک کا استنباط ان کی ذہانت اور حذاقت کی دلیل تھی۔ اسی روز سے مدینہ منورہ میں امام مالکؒ کا چرچا اور شہرت ہوگئی۔ اور لوگوں کے دلوں میں امام صاحب کی وقعت بڑھ گئی۔

حلیہ، لباس و عادات حلیہ مبارک کے بارہ میں مطرف بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ کان جسیماً آپ موٹے بدن والے طویلاً دراز قامت عظیم الھامۃ سر کی عظمت دماغی قوتوں میں زیادہ ممد ہوتی ہے۔ شمائل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی عظیم الہامہ آیا ہے۔ اصلع پیشانی میں سر کے بال کم تھے۔ اور حضرت عمر و حضرت علی رضی اللہ عنہما بھی اصلع تھے۔ بعض دفعہ یہ بات موروثی اور خاندانی ہوتی ہے۔ اور اکثر غم و فکر اور عظیم ذمہ داریوں اور دماغی کاموں کی وجہ سے ہوجاتی ہے۔ ابیض الرأس و اللحیۃ آخری عمر میں سر اور داڑھی کے بال سفید تھے۔ عظیم اللحیۃ داڑھی گنجان اور لمبی تھی۔ یقص الشارب مونچھوں کو جو لبوں کے کنارے ہوتے تھے کتروا تے تھے وکان یکرہ حلق الشارب اور مونچھ منڈوانا مکروہ سمجھتے تھے۔ اور منڈوانے کو مثلہ اور تغیر خلق اللہ قرار دیتے تھے۔ ویبقی السبالتین اور مونچھوں کو باقی رکھتے تھے۔ اور اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پیروی کرتے تھے۔ جو مجاہد اور بہادروں کی نشانی

ہے حضرت عمرؓ کے بارہ میں بھی ایسا ہی منقول ہے۔ ان عمر رضی اللہ عنہ کان یفتل سبلتہ اذا اھمّہ اہ حضرت عمرؓ کو جب کوئی پریشانی یا اہم واقعہ پیش آتا۔ تو اپنی مونچھوں کو تاؤ دیا کرتے تھے۔ ادھر مونچھ کو تاؤ دیا اور اُدھر قیصر وکسریٰ کے ایوان لرز اٹھتے اور اللہ کے دشمنوں پر قیامت آجاتی کہ اب اللہ کی تلوار نیام سے نکلنے والی ہے۔ امام مالکؒ کے بارہ میں یہ بھی ہے کہ کان من احسن الناس وجہا۔ سب لوگوں میں خوبصورت ترین۔ عادات مبارکہ میں یہ بھی ہے کہ بہت خوش پوشاک تھے۔ ظاہری حسن وجمال کے ساتھ نظافت ونفاست اور بیش قیمت لباس سے محبت رکھتے تھے۔ طالب علمی میں اگرچہ تنگدستی تھی لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے فتوحات کا دروازہ کھول دیا۔ اور کثرت سے مال ودولت آنا شروع ہوگیا۔ اور بیش قیمت لباس استعمال کرتے تھے۔ صاف ستھرے کپڑے پہنتے تھے خوشبو اور عطر بھی لگاتے اور فرماتے ما احب لاحد انعم اللہ علیہ الا ان یری اثر نعمتہ علیہ (میں ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جسے اللہ تعالیٰ نے مال ودولت عطا کیا ہو اور اس پر اثرات ظاہر نہ ہوں) یعنی تحدیثاً بالنعمۃ عمدہ لباس پہنتے تھے۔ اس بارہ میں اسلاف اور مشائخ کے مزاج اور عادات مختلف قسم کی تھیں۔ بعض تواضع اور عجز وانکساری کی وجہ سے موٹا جھوٹا اور خشن لباس استعمال کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا ایک واقعہ سنا چکا ہوں۔ کہ طواف کرتے ہوئے ایک خدارسیدہ نے بار بار کہا کہ البس لباس الصالحین صالحین کی پوشاک پہنا کرو۔ پوچھا کہ وہ کیسا ہوتا ہے فرمایا خشن۔ خشن موٹا جھوٹا اور کھردرا۔ بعض اظہار نعمت خداوندی کے طور پر عمدہ لباس پسند کیا کرتے تھے تو یہ نیت پر منحصر ہے۔ ہر ایک کو اس کی نیت کے مطابق بدلہ ملے گا۔ جب کہ کبر عُجب اور بڑائی مقصود نہ ہو وللناس فیما یعشقون مذاھب

حضرت بشرؒ فرماتے ہیں کہ پانچ پانچ سو روپیہ کا جوڑا پہنتے تھے۔ عدن اور دوسرے شہروں کے نہایت نفیس بیش قیمت اور اعلیٰ قسم کے کپڑے پہنتے تھے۔ عموماً سفید لباس استعمال کرتے تھے اور یہ بھی فرمایا کرتے کہ احب للقاری ان یکون ابیض الثیاب۔ علما کے لئے میں سفید لباس استعمال کرنا جو عالم کے شایان شان ہو پسند کرتا ہوں۔

نہایت وقار، سنجیدگی اور تمکنت سے رہا کرتے تھے اسی وجہ سے لوگوں میں ہیبت، رعب اور دبدبہ قائم رہا عوام سے بے جا اختلاط اور مزاح سے گریز کرتے اور یہی علما کا شیوہ رہا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کو کسی نے پیچھے سے پکارا آپ سنتے رہے مگر جواب نہ دیا۔ بعد میں جب کسی نے کہا کہ حضرت آپ کو بلا رہے ہیں تو فرمایا کہ پیچھے سے تو جانور بلائے جاتے ہیں۔ لم یصاحب الاحمق آپ بے وقوف اور کم عقل لوگوں کی صحبت سے احتراز کرتے تھے۔

ایسے مقامات پر کھانے پینے سے بھی احتراز کرتے جہاں لوگوں کی نظریں پڑتیں اس وجہ سے کسی شخص نے آپ کو کھاتے پیتے نہیں دیکھا۔ یہ تکبر کی وجہ سے نہیں بلکہ بعض لوگوں کی فطرت میں حیا موجود ہوتی ہے۔ کہ لوگ ایسے حالات میں مجھے نہ دیکھ سکیں۔ یہ صفات بڑی مشکل سے حاصل ہوتی ہیں۔

مدینہ منورہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مکان میں رہتے اسے کرایہ پر لیا تھا۔ اپنا ذاتی مکان نہیں بنایا۔ مسجد

نبوی میں حضرت عمرؓ کی نشست گاہ میں اپنی نشست رکھی تھی۔ مکان کے دروازہ پر کتبہ ماشاءاللہ کا لگا تھا۔ چاندی کی انگوٹھی میں حسبنا اللہ ونعم الوکیل کے الفاظ نقش تھے۔

مجلس درس کے آداب آپ کو درس کا بڑا اہتمام تھا آپ کو مجلس درسِ حدیث کا جتنا اہتمام اور اعتنا تھا کسی اور سے بہت کم منقول ہے۔ پہلے غسل کر کے صاف بیش قیمت لباس زیب تن فرماتے، کنگھی کرتے، خوشبو لگاتے ایک تخت بچھایا جاتا، مجلس پر تکلف فرش سے آراستہ ہوتی۔ شاہانہ شان و شوکت سے اس پر بیٹھتے تھے۔ تمام لوگ دوزانو ہو کر بیٹھ جاتے اور امام مالک بھی جب تک سبق ختم نہ ہوتا تشہد کی شکل بیٹھے رہتے۔ اس دوران کوئی لایعنی اور غیر متعلق بات نہ ہوتی۔ مجلس عود و عنبر کی خوشبو سے مہکتی تھی۔ لوبان اور عود سے مجامر سلگائی جاتیں۔ جس طرح ایک عظیم الشان بادشاہ کا دربار ہوتا ہے۔ اسی طرح آپ کا احادیث رسولؐ سے معاملہ ہوتا تھا۔ اس لئے کہ سب سے بڑا شاہی دربار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔ کہ ان کی مجلس میں صحابہ کرام کی یہ حالت ہوتی تھی کہ کان علی رؤسھم الطیر ایسی عزت و احترام فرماتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ اگر ذرا جنبش ہوئی تو اڑ جائیں گے اب ہم ہیں کہ درس حدیث میں کیا کیا گستاخیاں صادر ہوتی رہتی ہیں۔ کوئی ادھر متوجہ کوئی ادھر ٹانگ پھیلاتے کوئی دوسرے کاموں میں منہمک ہے اور دورۂ حدیث جاری رہتا ہے۔ ہم تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھنے کے قابل بھی نہیں رہے۔ اور یہ ساری بے ادبیاں علم کے راستے میں رکاوٹیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سے درگذر فرمائیں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ جو تفسیر، حدیث، فقہ، لغت اور قرأت کے بہت بڑے امام ہیں زہد و تقویٰ میں بھی ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

ایک روز میں خود حضرت امام مالکؒ کی مجلس درس میں بحیثیت شاگرد حاضر ہوا۔ آپ احادیث بیان فرما رہے تھے تو مجلس درس میں آپ کا رنگ عجیب طرح سے متغیر ہو گیا۔ چہرہ زرد ہو گیا لیکن درس جاری رکھا کچھ دیر بعد پھر ایسا ہی ہو گیا۔ اور کئی مرتبہ یہ کیفیت پیش آئی۔ درس کے بعد کسی سے کہا کہ ذرا آ کر میری پیٹھ کو تو دیکھو کوئی چیز ہے۔ جب دیکھا گیا تو ایک خطرناک بچھو تھا جو دوران درس آپ کو ڈستا رہا۔ اس کی شدید تکلیف سے آپ متغیر اللون ہو جاتے تھے۔

عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ آپ پر دس مرتبہ یہ کیفیت طاری ہوئی۔ بعض روایات میں ہے کہ سولہ دفعہ بچھو نے ڈنگ مارا۔ لیکن امام مالک نے احادیث کی عزت و احترام کی وجہ سے نہ تو جزع و فزع کیا اور نہ دوران درس شور و شغب اور فریاد کی۔ اور نہ ہی حرکت کی۔ بلکہ فرمایا کہ دوران درس میں نے شکایت اور انقطاع درس کو خلاف ادب سمجھا۔

ائمہ اربعہ کی عزیمت و استقامت یہی حالت امام کی عزیمت کی تھی۔ حضرت امام مالک کی بھی وہی استقلال

اور استقامت رہی۔ جو دوسرے ائمہ کرام کا وصف تھا۔ دین حق کے واسطے شدائد اور تکالیف برداشت کرنا، حکومت سے مقابلہ کرنا، امام مالک کا عظیم کارنامہ ہے۔ اور آپ ہر مرحلے پر ثابت قدم رہے۔ خود ہمارے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عجیب زندگی ہے۔ ابوجعفر منصور اور دوسرے امراء کی جانب سے جو تکالیف اور مصائب پہنچے اور مختلف طریقوں سے سزائیں دیں مگر آپ ان تمام امتحانات میں سُرخ رو رہے۔ تعمیر بغداد جسے مدینۃ السلام کہا جاتا تھا ابوجعفر نے امام صاحب کو شہر کی تعمیر کی اینٹیں شمار کرنے پر مامور کیا۔ خلیفہ ابوجعفر منصور کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح امام صاحب تمام دن مصروف رہیں گے اور حکومت کی مخالفت کرنے کی فرصت ہی نہ ملے گی۔ لیکن امام صاحب تھے بڑے ذہین، تھے۔ اینٹ والوں سے کہا کہ تمام اینٹیں ایک جگہ جمع کرتے رہو۔ اور آخر میں امام صاحب سے جریب یا بانس سے اس ڈھیر کو ناپ کر تعداد معلوم کر لیتے۔ اور سارے دن کی جمع شدہ اینٹوں کا حساب منٹوں میں لگا لیتے۔

ابوجعفر منصور اس مقصد میں ناکام رہا۔ اسی وجہ سے امام صاحب کے متعلق کہا جاتا ہے هو اول من عدّ اللبن بالقصب۔ امام ابو حنیفہؒ پہلے شخص ہیں جو بانس وغیرہ سے ناپ کر اینٹوں کا حساب لگایا۔

الغرض بہت بڑی آزمائشیں آئیں مگر امام صاحب ثابت قدم رہے۔ یہاں تک کہ وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ مجھے ابوجعفر کے سرکاری مقبرہ میں دفن نہ کیا جائے۔ ابوجعفر منصور کہا کرتے تھے کہ حضرت امام صاحب وفات بھی پاگئے مگر مجھے ذلیل و رسوا کر دیا اور مجھ پر دھبہ لگا گئے۔ کہ میں تیرے مقبرہ میں دفن ہونا بھی گوارا نہیں کرتا۔ دراصل امام صاحب کی بڑی سیاسی زندگی تھی۔ امراء اور خلفاء کی بے راہ روی اور دینی ابتری سے عام مسلمان دین حقہ کے مطابق زندگی بسر کرنے کی نعمت سے محروم ہوتے جارہے تھے۔ ان حالات پر نظر رکھ کر امام صاحب کا سیاسی رجحان یہ رہا کہ کوئی انقلاب آئے اور دوبارہ خلافت راشدہ کی طرز پر کوئی حکومت برسر اقتدار آجائے۔ ابوجعفر منصور کو امام صاحب کی ان درپردہ کوششوں کا یقین ہو گیا تھا۔ اسی لئے آپ کو قاضی القضاۃ وغیرہ کے عہدے پیش کرکے اپنے ساتھ ملانا چاہا۔ کہ ان کی تائید سے تقویت ہو جائے۔ اسی خاطر خلیفہ نے ڈرایا دھمکایا بھی، لیکن آپ ہمیشہ ثابت قدم رہے ہیں۔

آپ لوگ جس عظیم امام کے مقلد ہیں ان کی زندگی کے ایسے تمام گوشوں کا مطالعہ کیا کریں اگر تفصیل چاہیں تو امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی از علامہ مناظر احسن گیلانی میں مل سکتی ہے۔

اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ پر عجیب و غریب امتحان، تکالیف، ترغیب و ترہیب کی شکل میں اور شدائد کی صورت میں آئے۔ مسئلہ بظاہر معمولی تھا۔ مسئلہ خلق القرآن۔ لیکن اس سے کئی قسم کے نقصانات پیدا ہو سکتے تھے۔ امام احمد اس سے باخبر تھے اسی لئے آپ نے اس مسئلہ میں سخت رویہ اختیار کیا۔ اور ثابت قدم رہے۔ کہا جاتا ہے کہ:۔

ان اللہ اعز ھذا الدین برجلین بابی بکر الصدیق یوم الردۃ وباحمد بن حنبل یوم المحنۃ

اللہ تعالیٰ نے اس دین کی دو آدمیوں سے نازک موقعہ پر تائید کرائی۔ فتنہ ارتداد کے موقعہ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے

اور مسئلہ خلق قرآن کے فتنہ کے موقعہ پر احمد بن حنبلؒ سے۔ اسی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر بھی امراء و حکام کے ہاتھوں ابتلاء کا دور آیا۔ وہ والیٔ یمن کو ظلم و ستم سے روکتے رہتے۔ انہوں نے امام شافعی کی شکایت ہارون الرشید سے کردی۔ امام شافعیؒ یمن سے پا بجولاں دربار خلافت بھیج دیئے گئے اور بہ مشکل وہاں امام محمدؒ کی سفارش پر رہائی ملی۔

امام مالکؒ کی ابتلاء

تو امام مالکؒ پر بھی والیٔ مدینہ جعفر بن سلیمان کی جانب سے مختلف قسم کی تکالیف آئی ہیں۔ تیس ۳۰ سے ستر تک کوڑے لگوائے گئے۔ اور دونوں ہاتھ کھینچوا کر مونڈھے سے اتر گئے۔ فمدّت یداہ حتی انخلعت کتفہ۔ گدھے پر سوار کرا کر مدینہ منورہ کی گلیوں میں تشہیر کرادی۔

شہنشاہیت جیسے ادوار میں کسی کو بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ جب اس امتحان اور آزمائش سے سرخرو ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے رفعت درجات سے نوازا۔ اور عزت و رفعت بڑھ گئی۔

مورخین لکھتے ہیں۔ وکانما کانت تلک السیاط حلیاً حُلّی بہ۔ ابتلاء کا یہ واقعہ ۱۴۶ھ میں پیش آیا۔ حق بات اور اعلاء کلمۃ اللہ کے واسطے تکالیف اٹھانا عالم کے لئے زیورات بن جاتی ہے جس سے وہ آراستہ ہو جاتا ہے۔ یہ ابتلاء و تکالیف یا تو سیاسی مسئلہ بیعت کی وجہ سے آئی ہیں۔ بعض کی رائے ہیں اس لئے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے حضرت علیؓ پر تقدیم کے قائل تھے اور بعض کہتے ہیں کہ طلاق مکرہ کا فقہی مسئلہ تھا۔ ان کی رائے میں طلاق بالجبر اور طلاق مکرہ واقع نہیں ہوتی۔ اور فرض کر لیا جائے کہ ایک فقہی مسئلہ تھا۔ لیکن امام نے قرآن و سنّت کی روشنی میں جب ایک رائے قائم کر لی تو اس پر پہاڑ کی طرح جمے رہے۔ کوئی اصولی مسئلہ نہ تھا نہ عقائد کی بات تھی۔ بلکہ مقصد یہ تھا کہ فقہ کی کسی جزء کی بات کیوں نہ ہو جب اسے حق سمجھ لیا ہے تو پھر اس کے لئے ڈٹ جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شریعت اسلامیہ کی تحفظ اور بقا اس طریق سے فرمائی ہے کہ اس پر اگر عزیمت جبل استقامت بنے رہے۔ پھر اس میں کوئی مصالحت مفاہمت اور مداہنت نہیں کرسکتے تھے۔ بہرحال فقہی مسئلہ بھی ہوتا تو امام صاحب اس پر جم گئے ہوتے مگر اصل صورت حال یہ تھی کہ اس مسئلہ میں بھی ایک سیاسی صورت پوشیدہ تھی جس کی وجہ سے امام مالکؒ پر اتنا عظیم امتحان آیا۔ دراصل طلاق مکرہ واقع نہ ہوجانے سے حکومت وقت کو ایک سیاسی خطرے کا سامنا تھا۔ جس طرح کہ آج کل ووٹ دینے کے لئے لوگ مجبور کئے جاتے ہیں۔ قسم، جھوٹ، رشوت، حرام خوری۔ الغرض طرح طرح کے ہتھکنڈے ووٹ حاصل کرنے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح اس زمانے کے حکمران جب لوگوں سے بیعت لیا کرتے تھے تو لوگ بیعت کے ساتھ حلف اور قسم بھی اٹھاتے تھے۔ ایک گونہ جبری بیعت ہوتی۔ اور لوگ بادشاہ کے ڈر سے قسم کھاتے تھے لیکن بعد میں بیعت توڑنا چاہتے تو کفارہ یمین ادا کرتے۔ اب حکمران اور امراء سمجھ گئے کہ یہ لوگ کفارہ یمین دے کر انخلاع عن البیعت کر لیتے ہیں۔ تو اس طرح تو سارا سیاسی نظام درہم برہم ہوجائے گا۔ اور اطاعت کے وعدے ٹوٹ جائیں گے تو ان حکام نے قسم کے ساتھ طلاق کا بھی اضافہ کیا۔ اور یہ اقرار لیا کرتے تھے کہ علیّ طلاق ان لم اکن صادقاً

ثم بیعتی او نقضتہ اس صورت حال سے لوگ بے بس ہو کر رہ گئے۔ طلاق کی وجہ سے خلع عن البیعت بھی نہیں کر سکتے تھے۔ سیاسی طور سے لوگوں کا راستہ بند ہو گیا۔ دوسری طرف فاسق فاجر تلوار نکال کر طلاق کا مطالبہ کر رہا ہے۔ تو درحقیقت یہ طلاق مکرہ کی صورت تھی لہذا امام مالک نے اعلان کر دیا کہ طلاق المکرہ لیس بشیئ

اس مسئلہ میں امام مالک کی اپنے استنباط و اجتہاد پر مبنی رائے تھی۔ اس لئے اپنی رائے کے مطابق پوری شدومد سے مقابلہ کیا اور فرمایا کہ جبری طلاق واقع نہیں ہوتی۔ تو اس کے سزا کے طور پر حاکم وقت نے گدھے پر بٹھایا اور سارے شہر میں پھرایا۔ سارے اہل مدینہ تماشائی بنے ہیں ہر طرف بھیڑ لگ جاتی۔ پریشان بھی ہیں کچھ کر بھی نہیں سکتے۔ ایک عجیب و غریب حادثہ تھا۔ ادھر امام مالک نے کیا کیا۔ چونکہ اس زمانے میں کوئی لاؤڈ سپیکر تو تھا نہیں۔ امام دارالہجرہ نے لوگوں کے اس اجتماع کو بھی اظہار حق کے لئے غنیمت سمجھا۔ گلیوں میں دو طرفہ ہجوم ہے اور امام صاحب باآواز بلند اعلان کرتے جا رہے ہیں۔ من کان یعرفنی فیعرفنی ومن لم یعرفنی فانا مالک بن انس اقول ان طلاق المکرہ لیس بشیئ جو مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہی ہے اور جو نہیں جانتا تو وہ بھی خوب جان لے کہ میں مالک بن انس ہوں اور فتویٰ دیتا ہوں کہ جبری طلاق درست نہیں۔

یہ ہمارے مشائخ کی عزیمت و استقامت کا عالم تھا۔ بعد میں جب منصور نے کوڑوں کا قصاص لینے کو کہا تو فرمایا میں نے ہر کوڑے پر معاف کر دیا ہے۔ اس لئے کہ جعفر سید تھے۔ امام دراوردی نے کہا ہے کہ امام صاحب ہر کوڑے کی ضرب پر فرماتے اللھم اغفرلھم فانھم لا یعلمون۔ کوڑے مارے گئے تو بے ہوش ہو کر گر پڑے جب ہوش آیا تو فرمایا کہ اے لوگو گواہ رہو میں نے کوڑے مارنے والے کو معاف کر دیا ہے۔

ان کے درس حدیث میں خان و نواب، امیر و غریب چھوٹے اور بڑے کا امتیاز نہ ہوتا جو بھی زیادہ محنتی ہوتا اس کو زیادہ اہمیت دیتے۔

امراء سے بے نیازی وہ زمانہ چونکہ علم و فضل کا دور تھا۔ بادشاہ بھی علوم حاصل کرتے تھے۔ احادیث پڑھتے تھے یہی نصاب اور یہی تعلیم تھی۔ خلفاء اور امراء کی بھی تمنا ہوتی کہ امام مالکؒ سے ایک حدیث سن لیں۔ ایک مرتبہ خلیفہ ہارون الرشید مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ وہ دنیا کا ایک عظیم حکمران تھا۔ موجودہ تمام مسلم ممالک اس کی قلمرو میں تھے۔ خلفائے عباسیہ میں سب سے بڑی مستحکم اور خوش حال حکومت اگر تھی تو وہ ہارون الرشید کے زمانے میں قائم ہوئی۔ اتنا وسیع رقبہ کسی حکومت کا نہ تھا۔ بنو عباس کا یہ انتہائی نقطہ عروج تھا۔ بعد میں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور بعض علاقے غلام بنا دئے گئے۔ اسے جبار الارض کہا جاتا تھا۔ ایک بار منیٰ میں کسی نے ہارون کو برہنہ سر اور برہنہ پا دیکھا کہ احرام میں کھڑے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے تضرع کر رہے ہیں۔ تو دیکھ کر اس نے کہا۔ انظر الی جبار الارض کیف یتضرع الی جبار السماء ہارون جب آسمان پر بادل دیکھتے تو کہتے کہ اے بادلو! جہاں بھی چاہو برسو خواہ عراق اور

خراسان خواہ ترک اور افریقہ یا اندلس۔ لیکن تمہارے برسنے سے مالیہ میرے خزانہ میں آئے گا۔ جیسا کہ مشہور تھا کہ انگریزوں کی حکومت میں سورج غروب نہیں ہوتا۔ جو حکومت کی وسعت سے کنایہ تھا۔ تو ہارون الرشید عظیم حکمران تھے۔ اس کے باوجود علم کے بے حد قدر دان بھی تھے۔ تو کسی کو امام مالکؒ کے پاس بھیجا کہ مؤطا لا کر مجھے سنا دیں تاکہ مجھے شرف تلمذ حاصل ہو جائے۔ آپ نے جواب دیا کہ اگر احادیث سننی ہو تو میرے ہاں آکر درس میں شریک ہو جاؤ میں احادیث کی مجلس تبدیل نہیں کرتا۔ یہیں پڑھاتا ہوں۔

ہارون الرشید آج کل کے حکمرانوں کی طرح ضدی اور اناڑی تو نہیں تھے۔ خود آئے اور درس حدیث میں شامل ہوگئے۔ امام مالک نے اس وقت قراۃ التلمیذ علی الشیخ کا طریقہ اختیار فرمایا تھا۔ حدیث سننے کے دو طریقے ہیں۔ ایک قراۃ الشیخ علی التلمیذ کہ استاد پڑھے اور شاگرد سنتا رہے۔ دوسرا قراۃ التلمیذ علی الشیخ کہ شاگرد پڑھے اور استاد سنتا رہے۔ شمائل میں تفصیلات بیان کر چکا ہوں۔ امام مالک وغیرہ قراۃ الشیخ علی التلمیذ کو ترجیح دیتے تھے جب کہ امام ابو حنیفہؒ وغیرہ قراۃ التلمیذ علی الشیخ کو پسند فرماتے تھے۔ مگر امام مالک جب آخر عمر میں ضعیف اور بوڑھے ہوگئے تو دوسری صورت اختیار فرمائی کہ خود پڑھ کر سنانا چھوڑ دیا اور تلامذہ میں سے ایک دو عبارت پڑھتے تھے۔

خلیفہ نے عرض کیا کہ آپ ہی مجھے پڑھ کر سنا دیجئے۔ تو امام صاحب نے فرمایا۔ ما قرأت علی احد منذ زمان انما یقرأ علی۔ ایک مدت سے خود پڑھ کر سنانا چھوڑ چکا ہوں۔ دوسرے پڑھتے ہیں اور میں سنتا ہوں۔ آج اپنا معمول تمہارے لئے نہیں بدل سکتا۔ پھر خلیفہ ہارون نے کہا اچھا میں خود پڑھ کر سناتا ہوں مگر اتنا کیجئے کہ ان سب لوگوں کو باہر بھیج دیجئے۔ مجھے یہ سعادت قراۃ علی الشیخ حاصل ہو جائے گی۔ اخرج الناس حتی اقرأ علیک تو امام مالک نے فرمایا کہ نہیں ایسا بھی نہیں کر سکتا کہ اذا منع العام لبعض الخاص لم ینتفع الخاص وامر معن بن عیسیٰ فقرأ اگر خاص لوگوں کی رعایت سے عام لوگوں کو محروم رکھا جاتے تو پھر خواص کو بھی اس کا نفع نہیں ہوتا اس سے معلوم ہوا کہ مجمع میں درس کا فائدہ زیادہ ہے بخلاف انفرادیت کے کہ اجتماع کی برکات اس طرح حاصل نہ ہو سکیں گی۔ پھر آپ نے اپنے تلمیذ معن بن عیسیٰ کو حکم دیا کہ قرأت شروع کریں۔ اور خلیفہ بھی سننے لگا۔

تو اصل بادشاہت تو امام مالک جیسے ائمہ کی تھی۔ کہ ان سلاطین کو بھی ان بزرگوں کی عظمتوں کا احساس تھا اپنی بادشاہت اس کے سامنے ہیچ لگ رہی تھی۔

دلوں کے بادشاہ | امین اور مامون دونوں ہارون الرشید کے بیٹے ہیں۔ ایک دن ہارون الرشید کیا دیکھتا ہے کہ دونوں بھائی اپنے استاد اور شیخ کے جوتے اٹھانے میں سبقت کرتے ہیں جس میں دست و گریبان تک نوبت پہنچی۔ آخر میں شیخ نے فیصلہ دیا کہ اچھا دونوں ایک ایک جوتا اٹھا لو۔ تو ایک جوتا مامون نے اور ایک امین نے اٹھایا۔ یہ منظر کہیں ہارون الرشید دیکھ رہے تھے تو اپنی بیوی زبیدہ سے کہا کہ دنیا میں بڑا بادشاہ کون ہے۔ اس نے کہا آپ سے بڑا

بادشاہ کون ہو سکتا ہے۔ ہارون الرشید نے کہا کہ نہیں بادشاہ تو احادیث کے استاد ہیں کہ امین و مامون نے میرے جوتے کبھی نہیں اٹھائے۔ مگر آج دونوں نے استاد کے جوتے اٹھا کر خوشی سے سروں پر رکھے ہیں۔ تو یہ امراء اور خلفاء اپنے بیٹوں کو بھی علماء کے پاس بھیجتے تھے اور شہزادے ان کی خدمت کو سعادت سمجھتے تھے۔ اس کے باوجود بھی علماء اتنی استغناء اور بے نیازی اختیار کرتے تھے کہ حکومت کیا چیز ہے۔ اصل بادشاہت تو یہی ہے۔

ابوجعفر منصور بنو عباس کا بڑا جابر حکمران ہے۔ ابوالدوانیق بھی اسے کہا جاتا ہے۔ درحقیقت خلافت عباسیہ کا بانی مبانی وہی ہے۔ ایک دن کچھ پریشان سا تھا۔ درباری امراء اور مقربین نے پوچھا کہ پریشانی کی کیا وجہ ہے؟ سب کچھ موجود ہے۔ تو ابوجعفر نے کہا یہ کیا خوشی ہے۔ خوشی تو اس شخص کو ہوتی ہے جو حدیث پڑھ کر حدیث پڑھاتا ہے۔ دربار شاہی تو وہ لگتا ہے تو وزراء تو درباری ہوتے ہیں۔ بادشاہ جس چیز سے خوش ہو وہی کرتے ہیں۔ تو دوسرے دن سب حدیث کی کتابیں گویا بخاری اور ترمذی بغل میں لئے ہوئے حاضر ہوئے۔ خلیفہ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا کل آپ نے حدیث پڑھانے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ آپ پڑھائیں ہم حلقہ باندھ کر بیٹھتے ہیں۔ کہا جاؤ طلبہ ایسے نہیں ہوتے تم تو مجھے خوش کرنے کے لئے پڑھو گے۔ تو بادشاہوں کو محدثین کے منصب پر رشک آتا تھا۔ تو امام مالکؒ کے درس میں شاہانہ ہیبت رعب دبدبہ اور یہ ساری خصوصیات موجود تھیں۔

<u>اعتراف فضل و کمال</u> آپ کی امامت و فقاہت ورع و امانت پر امت کا اجماع ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث منقول ہے۔ یوشك ان یضرب الناس اکباد الابل فلا یجدون احدا اعلم من عالم المدینۃ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب وہ زمانہ آئے گا جب کہ لوگ طلب علم کے لئے اپنے اونٹ مار مار کر ہنکائیں گے۔ تو مدینہ کے عالم سے بڑھ کر کسی کو نہ پائیں گے۔

سفیان بن عیینہ اور عبدالرزاق (جو امام بخاری کے شیخ اور جلیل القدر امام ہیں) فرماتے ہیں:۔ کہ اس حدیث ابوہریرہ کے مصداق امام مالک ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مدینہ منورہ کو اللہ تعالیٰ نے بلند مرتبہ مشائخ، علماء اور محدثین کا مرکز بنایا ہے۔ ہر دور میں اہل علم کا خلاصہ وہاں موجود رہتا ہے۔ اس دور میں ہمارے شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مہاجر مدنی مدینہ منورہ میں قیام پذیر تھے اس سے پہلے حضرت مولانا بدر عالم صاحب جو ترجمان السنۃ کے مصنف تھے۔ اسی طرح ہر زمانے میں محدثین اور علماء موجود رہتے ہیں گو بظاہر گمنام رہیں۔ آج کل مغربی تمدن اور ظلمات کا دور ہے جس میں اہل اللہ پنہاں اور بظاہر غیر معروف ہوتے ہیں۔ مگر جنگل میں شیر ضرور موجود ہیں فرمایا۔ الایمان لیأرز الی المدینۃ کما تارز الحیۃ الی جحرھا (اوکما قال ؐ) ایمان مدینہ کی طرف ایسا سمٹ سمٹا کر لوٹ آئے گا جیسا کہ سانپ اپنی بل کو لوٹتا ہے تو اہل حق اور اہل سنت ہر زمانہ میں وہاں موجود ہوں گے۔ تو اس دور میں علم میں لوگوں کے ماوی و ملجا امام مالکؒ تھے لوگ دور دراز کا سفر اختیار کرتے تاکہ امام مالک سے حدیث حاصل کر سکیں۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں لولا مالك وسفیان لذهب علم الحجاز۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں اذا رأیت الرجل ینقص مالکا فاعلم انه مبتدع۔ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ امام مالک کی تنقیص کرتا ہے تو سمجھ لیجئے کہ وہ بدعتی ہے۔

حماد بن سلمہ کے بارے میں تم سن چکے ہو کہا کرتے تھے لو قیل لی اختر لامة محمد من یأخذون عنه العلم لرأیت مالك بن انس لذالك موضعا ومحلا اگر مجھے کہا جائے کہ تمام امت محمدی کے لیے انتخاب کرو کہ وہ کس سے علم حاصل کریں تو میں سب سے زیادہ امام مالک کو اس منصب کے لئے اہل قرار دیتا ہوں۔

عبداللہ بن احمد سے پوچھا گیا من اثبت اصحاب الزهری امام زہری کے اصحاب میں سب سے زیادہ ثقہ کون ہے۔ قال مالك اثبت فی کل شئی فرمایا امام مالک سب سے زیادہ ثقہ ہیں۔

امام الروایة والدرایة امام مالک روایت حدیث اور درایت حدیث دونوں میں کامل ملکہ رکھتے تھے محدثین کی اصطلاح میں صاحب روایت الحدیث امام فی الحدیث اور درایت حدیث کو امام فی السنة کہا جاتا ہے۔ ابن مہدی فرماتے ہیں۔ سفیان الثوری امام فی الحدیث ولیس بامام فی السنة والاوزاعی امام فی السنة ولیس بامام فی الحدیث ومالك امام فیهما ابن مہدی کا قول ہے۔ سفیان ثوری امام حدیث تھے امام سنة نہ تھے۔ امام اوزاعی امام سنت تھے امام فی الحدیث نہ تھے لیکن امام مالک دونوں کے امام ہیں۔ یعنی روایۃ اور درایۃ دونوں کے جامع ہیں۔ ابن صلاح نے سنت سے ضد بدعت مراد لیا ہے کیونکہ بعض لوگ عالم بالحدیث ہوتے ہیں مگر عالم بالسنۃ نہیں ہوتے لیکن بہتر وہ توجیہہ ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ کہ محدثین سلف کے ہاں دو طریقے تھے۔ بعض حضرات صرف آیات احادیث اور آثار کو محفوظ کر کے بیان کرتے تھے اور اس سے استنباط احکام بھی کر سکتے تھے۔ یہ محدثین کا طریقہ ہے اور بعض حفظ روایات و آثار کے ساتھ ساتھ تنقیح اصول بھی کرتے تھے۔ کلام ائمہ سے قواعد کلیہ مستنبط کرتے تھے۔ یہ فقہا محدثین کا طریقہ ہے گویا اول کو اہل حدیث اور دوسرے کو اہل سنت کہیں گے۔ اور ہمارے امام اعظم ابو حنیفہؒ ان دونوں طریقوں کے سرتاج ہیں۔ خاص کر دوسری قسم میں (تنقیح اصول قواعد کلیہ اور استنباطات) گویا ایک پنساری کی بڑی دکان ہے۔ تمام ادویہ مفردات کی شکل میں موجود ہیں لیکن وہ خاصیات نہیں جانتا ہے۔ اور جب ایک عظیم حکیم آجاتے اور ان سب کے خواص بیان کر دے کہ اگر ان مفردات کو ان طریقوں سے مرکب کیا جائے تو فلاں خاصیت پیدا ہوتی ہے اور فلاں پیدا ہوتی ہے۔ گویا تمام مفردات کی ترکیبات، تاثیرات اور ہر ایک کی تشخیص امام ابو حنیفہؒ نے بیان فرمائی ہیں۔ تو امام مالک اور دوسرے ائمہ کرام بھی اس مقام کے لوگ ہیں۔ تو ابن مہدی کا مطلب یہ ہے کہ امام مالک امام فی الحدیث والسنة فی روایة الآثار وفی معرفة الاصول والقواعد دونوں امور میں ملکہ فائقہ رکھتے تھے۔

روایة الاکابر عن الاصاغر امام مالکؒ کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی خصوصیات دی ہیں۔ منجملہ ان خصوصیات کے ایک یہ بھی ہے کہ جس طرح آپ اکابر اور اصاغر دونوں سے روایت کرتے ہیں اسی طرح آپ سے بھی اکابر نے روایت کی ہے

اصطلاح محدثین میں اس کو روایت الاکابر عن الاصاغر اور سابق و لاحق کہا جاتا ہے۔ اس موضوع پر محدثین نے مستقل تصانیف کی ہیں۔ اسی طرح دو راویوں کے درمیان مدت کی خصوصیت بھی ہوتی ہے کہ شیخ واحد سے راویوں کے درمیان کتنی مدت ہو سکتی ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

میری تحقیق کے مطابق زیادہ سے زیادہ یہ تفاوت ایک سو پچاس سال تک پہنچ سکی ہے تو اس قسم کے اتفاقات جو امام مالک کو ہوئے کسی اور کو بہت کم نصیب ہوئے ہوں گے۔ امام مالک سے دو افراد نے ایک حدیث روایت کی ہے ایک ان میں سے محمد بن مسلم بن شہاب زہریؒ ہیں جو امام مالک کے اجلّہ اساتذہ میں سے ہیں اور ان سے آپ نے بے شمار احادیث روایت کی ہیں۔ لیکن انہوں نے خود امام مالک سے فریعہ بنت مالک بن سنان جو معتدہ کے سکنی کے بارے میں ہے روایت کی ہے۔ اور امام زہری کی وفات ۱۲۵ھ میں ہوئی ہے۔ دوسرے ابوحذافہ سہمی جو امام مالک کے شاگرد ہیں اور موطا کے ایک نسخہ کے راوی بھی ہیں۔ انہوں نے بھی یہی حدیث امام مالک سے روایت کی ہے اور ابوحذافہ کی وفات کچھ اوپر ۲۵۰ھ میں ہوئی ہے۔ تو دونوں راویوں کی وفات کے درمیان ایک سو تیس سال کے لگ بھگ فاصلہ ہے۔

مقبولیت امام مالکؒ | حضرت امام مالک سے اتنا فیض جو جاری ہوا ہے۔ تو حدیث ابی ہریرۃؓ کا مصداق ہیں۔ اور اللہ نے ان کی کتاب کو اقصائے عالم میں مقبولیت دی۔ شاہ عبدالعزیز نے لکھا ہے۔ کہ بڑے بڑے اولیاء کرام نے خواب میں دیکھا۔ ایک عابد اور بزرگ آدمی ابو عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور ان کے گرداگرد لوگوں کا حلقہ بندھا ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مشک رکھا ہوا ہے اور امام مالک سامنے کھڑے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشک سے لپ بھرتے ہیں اور امام مالکؒ کو عطا فرماتے ہیں اور آپ لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں اور ادھر ادھر نچھاور کرتے ہیں یہ اس خواب کی صریح اور صحیح تعبیر ہے کہ امام صاحب کے سینہ میں علوم نبوت کا ظہور ہوا اور آپ کے تبلیغ و تدریس کے ذریعہ لوگوں کو پہنچا گویا آپ وارث علوم نبوت تھے۔ اور ایک ایک حدیث مشک وعنبر سے کئی گنا زیادہ قیمتی ہے۔

ایک دوسرے بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ امام مالکؒ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تخت ملا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں وان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما ولکن ورثوا العلم (الحدیث) تو گویا خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو وراثت علمی بخش دی ہے۔

اب کچھ معروضات موطا امام مالکؒ کے بارہ میں ملحوظ رکھیں۔

کتاب موطا کے متعلق مباحث | ابن الہیاب فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ نے ایک لاکھ حدیث روایت کی تھیں مأۃ الف حدیث جنہیں بڑی مشقت اور عرق ریزی سے جمع کیا تھا ان میں سے دس ہزار عشرۃ آلاف منتخب کر کے موطا میں درج کیں۔ جو موطا کا اولین مسودہ اور نسخہ تھا لیکن اس کے بعد ہمیشہ اس میں حک و اضافہ کی

اور بیشی فرمایا کرتے تھے۔ انہیں برابر پرکھتے سنوارتے اور بار بار مراجعت کرتے تھے۔ تدریجاً ان کی شرائط بھی کڑی ہوتی جارہی تھیں۔ اور جو روایت شرائط پر معمولی سی بھی پوری نہ اترتی اسے اپنے مسودہ سے نکال دیتے یہ سلسلہ عمر بھر جاری رہا الی ما انتھت الیہ الآن یہاں تک موجودہ اور مروج نسخہ کو آخری شکل دی گئی جو تمہارے سامنے موجود نسخہ ہے۔ ایک طرف یہ حک اور اضافے کا سلسلہ تھا۔ اور دوسری طرف ہر سال بیشمار شاگرد استفادہ کرتے تھے۔ ایک نے ایک سال پڑھا دوسروں نے دو سال بعد کچھ تین سال بعد کے شاگرد کچھ اس کے بعد کے اب ہر سال موطا کا ایک ہی نسخہ تو آخری شکل میں سامنے نہ تھا آئندہ آنے والوں کے سامنے کمی بیشی والا اور مسودہ ہوتا۔ ہر سال امام صاحب کانٹ چھانٹ کرتے تھے۔ اس وجہ سے نسخے مختلف اور متعدد ہو گئے اور ہر نسخہ کی ترتیب بھی جدا ہو گئی۔ امام صاحب کے شاگردوں نے انہیں اپنی اپنی استعداد اور ترتیب اسباق کے مطابق مرتب و مدون کیا۔ اس لئے سینکڑوں نسخے مرتب ہو گئے۔ جیسا کہ آج کل ہر سال دورہ حدیث کے طلبہ اپنے آمالی قلم بند کرتے ہیں۔ اور چونکہ مسودے کو آخری شکل نہیں دی گئی تھی۔ اس لئے احادیث موطا کی تعداد اور فی الجملہ اس میں تھوڑا سا تفاوت بھی موجود ہے۔

ایک بزرگ نے کہا ہے کہ عرضت علیہ الموطا فی اربعین یوماً۔ میں نے امام مالک کو چالیس دن میں موطا سنایا۔ اور یا اتنے ایام میں پڑھنے کی خواہش ظاہر کی۔ اس پر امام نے فرمایا الفتہ فی اربعین سنۃ میں نے چالیس برس میں موطا مرتب کیا ہے۔ اور آخری شکل دی ہے۔ اور تم چالیس دن میں پڑھنا پڑھانا چاہتے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام مالکؒ نے موطا کی ترتیب و تبییض اضافہ و کمی میں چالیس سال گذارے ہیں۔ جس کی وجہ سے دنیا میں متعدد اور مختلف نسخے رائج ہو گئے۔

موطا کے متعدد نسخے حضرت شاہ عبدالعزیز نے بستان المحدثین میں بعض نسخوں کی نشان دہی فرمائی ہے فرماتے ہیں کہ آج کل ان کثیر نسخوں میں سے چند نسخے پائے جاتے ہیں۔ پہلا نسخہ جو سب سے زیادہ مشہور ہے یہی نسخہ متداولہ ہے۔ جو یحییٰ بن یحییٰ مصمودی الاندلسی کا نسخہ ہے جس کا آغاز وقوت الصلوٰۃ سے ہوتا ہے۔ دوسرا نسخہ عبداللہ بن وہب نے امام مالکؒ سے روایت کیا ہے۔ اس کی پہلی حدیث وقوت الصلوٰۃ کے بجائے امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لاالہ الا اللہ (الحدیث) تیسرا نسخہ عبداللہ بن مسلم قعنبی کا ہے جس کی پہلی حدیث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تطرونی کما اُطری عیسیٰ بن مریم (الحدیث) ہے جو تھا نسخہ ابن القاسم کا ہے جو فقہ مالکی کے اولین مدونین میں سے ہیں۔ اس کی پہلی حدیث یہ ہے ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال قال اللہ تعالیٰ من عمل عملاً اشرک فیہ من غیری فھو لہ کلہ (الحدیث)

پانچواں نسخہ معن بن عیسیٰ کا ہے اسی طرح دوسرے نسخے بھی ہیں۔ اور شاہ عبدالعزیز نے۔ سولہواں نسخہ۔ امام محمد

بن الحسن شیبانی کا ہے جو امام محمد صاحب نے مرتب کیا ہے جو مستقل انشاء اللہ شروع کریں گے۔

تعداد مرویات مؤطا | حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ مقدمہ اوجز المسالک میں فرماتے ہیں کہ موجودہ نسخہ مؤطا میں ۱۷۲۵ حدیثیں ہیں جس میں مسند و مرفوع ۶۰۰ مرسل ۲۲۲ موقوف ۶۱۳ اور تابعین کے اقوال و فتاوٰی ۲۸۵ ہیں۔

وجہ تسمیہ مؤطا | لفظ "مؤطا" وطی یطئ سے ہے وطاء بالکسر پائمال کرنا مجد الدین نے قاموس میں لکھا ہے وطاء ای واسہ و ہیئہ و سہلہ یعنی روندنے اور تیار کرنے اور سہل بنانے کے ہے اسی طرح یعنی موافقت کے بھی آتا ہے جیسا کہ واطئہ علی الامر ای وافقہ فی الامر۔ تواطأ علی الکذب ای الموافقۃ علی الکذب "یا کلی متواطی" جو آپ پڑھتے ہیں۔ رجل موطا الاکناف نرم مزاج نرم خو مؤطا العقب ای سلطان یتبع یہ متعدد معانی بیان کئے گئے ہیں یہ سب معانی مؤطا میں علی سبیل الاستعارہ صلاحیت رکھتی ہیں۔

ابن فہر فرماتے ہیں لم یسبق مالکا احد الی ھذہ التسمیۃ۔ امام مالک سے پہلے احادیث کے مجموعے کو کسی نے یہ نام نہیں دیا بلکہ عام نام الجامع، السنن، المولف، المصنف، المسند۔ تو امام مالکؒ نے الموطا نام رکھا بمعنی المھذب والمنقح یہ معنی لغوی کے لحاظ سے ہے۔ کہ ایک لاکھ احادیث سے انتخاب کر کر کے دس ہزار اور پھر اس سے انتخاب کر کر کے الی ما انتہت الیہ الآن۔ اور پھر عجیب و غریب نہج سے اقوال و آثار صحابہ اور تابعین کو آخر میں ذکر کیا ہے۔ الغرض ہر لحاظ سے منقح اور مہذب ہے۔

ابن ابی حاتم رازی جو جرح و تعدیل کے بڑے امام تھے پوچھا گیا لم سمی المؤطا بالموطا فقال شئ صنعہ و وطاہ للناس حتی قیل مؤطا اس کا موطا کیوں نام رکھا گیا۔ فرمایا کہ امام مالک نے اس کو مرتب کر کے لوگوں کے لئے آسان بنا کر رکھ دیا ہے۔ خود امام مالک مؤطا سے ایک دوسرے مفہوم کو بھی اشارہ کرتے ہیں یعنی موافقت، قال عرضت کتابی ہذا علی سبعین فقیہا من فقہاء المدینۃ فکلھم واطئونی علیہ فسمیتہ بالموطا۔ میں نے اس کتاب کو فقہاء مدینہ میں سے ستر فقہاء کے سامنے پیش کیا اور سب نے مجھ سے اتفاق کیا اس لئے میں نے اس کا نام موطا رکھا یعنی جس کی موافقت و تائید کی گئی۔ اور یہ وجہ صحیح اور راجح ہے اس لئے کہ یہ معنی خود صاحب کتاب سے منقول ہے امام مالکؒ نے خالصۃً للہ یہ محنت فرمائی جس میں مسابقت مقابلہ اور ریا کا کوئی شائبہ نہیں تھا اس لئے اس وقت کے سارے مدون مجموعوں میں اس نام کا یہی مؤطا باقی ہے البتہ صرف مؤطا ابن ابی ذئب مدون ہو گئی تھی جس کا تذکرہ کہیں ملتا ہے۔

مؤطا کا مقام | بہر حال اس میں اتفاق ہے کہ امام مالک موطا میں ضعیف وضعی اور مخدوش روایات نہیں لائے اور اس کی شہادت میں رئیس المحدثین حافظ ابو زرعہ فرماتے ہیں۔ لو حلف رجلٌ بالطلاق علی ان فی الموطا صحیح

لحد یحنث اگر کسی نے اس پر طلاق کا حلف اٹھایا کہ مؤطا میں امام مالکؒ نے جو احادیث بیان کی ہیں وہ سب کی سب صحیح ہیں۔ تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ یہ ان ائمہ فن جرح و تعدیل کا اس پر اتنا یقین اور وثوق ہے جن کے پاس صحیح ضعیف موضوع مرفوع موقوف اور مقطوع احادیث معلوم کرنے کی کسوٹیاں ہیں۔

بعض علماء نے مؤطا کو صحاح میں شمار کیا ہے۔ امام شافعیؒ رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں۔

"ما علی ظہر الارض کتاب بعد کتاب اللہ اصح من کتاب مالک" لیکن بعد میں اکثریت اس پر متفق ہوگئی کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری۔ تو امام شافعیؒ اور دوسرے علماء کے اقوال کی متعدد توجیہات کی گئی ہیں بعض کہتے ہیں کہ اصحیتہ اُن مصنفات اور مؤلفات کی بہ نسبت ہے جو اس زمانہ میں موجود تھے کہ اس وقت کے تمام مسانید مصنفات مولفات میں مؤطا اصح الکتب تھا۔

سیوطی اور امام سخاوی جو اصول حدیث کے بڑے امام ہیں فرماتے ہیں کہ ان قولہ قبل وجود الصحیحین کہ امام شافعیؒ کا یہ قول صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے عالم وجود میں آنے سے قبل کا ہے۔ بخاری کی تصنیف کے بعد وہی اصح الکتب بعد کتاب اللہ قرار پائی تو صحیحین سے پہلے یہ اطلاق صحیح تھا۔ اور جو اس کے قائل ہیں کہ یہ صحاح ستہ میں شمار ہے

صحاح ستہ کون کون سے ہیں | تو یہاں ضمنی بات یہ بھی سن لیں کہ صحاح ستہ کی بات کب سے شروع ہوئی ہے۔ متقدمین اور متاخرین کے نزدیک صحاح ستہ سے مراد اصول الکتب اور الصحاح ہیں یہ مراد نہیں کہ بیک وقت سب کے سب علماء نے بیٹھ کر اور اجتماع کر کے تمام کتب حدیث میں ان چھ کتابوں کا انتخاب کر دیا اور اس پر متفق ہوگئے کہ یہ صحاح ہیں۔ ایک زمانہ میں صحاح ثلثہ تھے۔ ایک وقت آیا کہ اربعہ ایک وقت خمسہ اور ایک وقت میں صحاح ستہ ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان چھ کتابوں کو ازحد مقبولیت عطا فرمائی جس طرح کہ آخر الامر استقرار اس پر ہو گیا۔ کہ ائمہ اربعہ ہیں اسی طرح آخر الامر اس پر استقرار ہو گیا کہ صحاح ستہ ہیں ابتداءً اکثر متقدمین و متاخرین پانچ شمار کرتے تھے۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم۔ نسائی۔ ابوداؤد اور ترمذی علی الترتیب۔ لیکن بعد میں اکثر حضرات نے ابن ماجہ کو اس میں شامل کیا۔ بعض حضرات نے ابن ماجہ کی بجائے مؤطا امام مالک کو شامل کیا اور بعض نے سنن دارمی کو صحاح ستہ میں شمار کیا۔

ابن طاہر مقدسی (منسوب بسوئے بیت المقدس) کے معاصر محدث رزین فرماتے ہیں کہ یہ چھٹا مؤطا امام مالک ہے۔ لصحتہ وجلالتہ اور علامہ ابن الاثیر (جو غریب حدیث کے امام ہیں النہایہ لابن الاثیر اور جامع الاصول کے مصنف ہیں۔ محدث رزین کے قول کو ترجیح دیتا ہے ابن ماجہ کو شمار نہیں کرتا۔ حافظ ابوجعفر بن زبیر غرناطی فرماتے ہیں کہ متفق علیہ کتب خمسہ اور اصول حدیث میں سادس مؤطا ہے (دیکھئے تدریب الراوی) لیکن دوسرے غالب متاخرین محدثین فرماتے ہیں کہ سادس الستۃ فی الصحاح ابن ماجہ ہے بعض محدثین نے تطبیق اس طرح کی ہے کہ مشارقہ کے نزدیک

اسی طرح جیسے امام مالک فرماتے ہیں کہ :-

سادس ابن ماجہ ہے۔ اور مغاربہ کے نزدیک موطا امام مالک ہے۔ مغرب سے مراد تیونس، الجزائر، مراکش اور اندلس وغیرہ بلاد ہیں جن میں غرناطہ، قرطبہ وغیرہ بڑے بڑے شہر تھے۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے حافظ ابو طاہر سلفی نے ترمذی کو صحاح میں شمار کیا۔ بہرحال مزاج الگ الگ ہوتے ہیں۔ بعض حضرات مثلاً حافظ عراقی وغیرہ کے نزدیک ترمذی اور ابو داؤد بھی اس معیار پر پورے نہیں اترتے۔

صحیح بخاری و مؤطا کا موازنہ | بہرحال جمہور موطا مالک کو صحاح ستہ میں شمار نہیں کرتے۔ چنانچہ علامہ نووی فرماتے ہیں اول المصنف فی الصحیح المجرد البخاری علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ امام احمد تو موطا مالک کے اصحیت کے قائل ہیں تو امام نووی نے رد کر دیا۔ کہ مراد صحیح سے صحیح مجرد ہے جب کہ موطا میں مراسیل وغیرہ موجود ہیں اور بخاری میں مراسیل نہیں ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ بخاری میں بھی مرسل اور منقطع روایات پائے جاتے ہیں۔ گو وہ اصل موضوع ہی نہیں بلکہ تعلیقات و تراجم بھی ہوتے ہیں لیکن بہت کم۔ بہرحال یہ ان لوگوں کا استدلال ہے جو مرسل و منقطع کو بھی حجت مانتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک موطا، بخاری کی طرح ہے۔ اور جو مرسل و منقطع حجت نہیں مانتے ہیں تو ان کے نزدیک بخاری صحیح ہے اور مؤطا نہیں ہے تو دونوں اطلاق اعتبارین سے صحیح ہیں۔ منقطع و مرسل کے باوجود بعض اسے صحیح مانتے ہیں۔ اور بعض نہیں۔ لیکن اتنی بات بہرحال ہے کہ علماء فرماتے ہیں کہ موطا کے مراسیل بھی کمزور نہیں ہیں۔ امام مالک نے جتنے مرسل روایات روایت فرمائے ہیں وما من مرسل الا وله عاضد او عواضد موطا کے دو سو بائیس مراسیل میں کوئی ایک مرسل بھی ایسا نہیں جس کا مؤید یا مویدات موجود نہ ہوں۔ بہرحال بہت سے علماء کے نزدیک موطا اس قابل ہے کہ اسے صحاح میں شمار کیا جائے۔ ہمارے حضرت شاہ ولی اللہؒ بھی اسی زمرے میں ہیں۔ جو موطا کو تمام کتابوں میں افضل و مقدم سمجھتے ہیں اور اپنی مشہور شرح المصفّٰی میں اس کی ترجیحات بیان فرمائی ہیں۔

شروح مؤطا | اللہ نے اس کتاب کو بڑی مقبولیت دی۔ قاضی عیاض نے تقریباً ننانوے شروح کی تعداد بتائی ہے۔ تفصیلی تعارف کے لئے اوجز المسالک کا مقدمہ موجود ہے۔ ان شروح میں ابن عبدالبر کی کتاب التمہید اور کتاب الاستذکار، علامہ سیوطی کی کشف المغطا عن الموطا اور دیگر شارحین قاضی عیاض ملا علی قاری امام زرقانی ابن عربی، ابو الولید باجی وغیرہ اکابر امت کے مشہور شروح ہیں۔ ان میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا المصفّٰی اور المسوّٰی عربی فارسی میں شرح اور حاشیہ ہے۔ نہایت مختصر اور مفید اور نہایت مشہور ہیں۔ اور ہمارے اس آخری دور میں حضرت الشیخ مولانا محمد زکریا صاحب نے چھ ضخیم جلدوں میں اوجز المسالک الی موطا مالک کے نام سے گراں قدر شرح لکھی ہے جو نہایت اہم اور مفید ہے۔ اور پچھلی تمام شروح کا خلاصہ ہے۔

امام مالک کی دیگر تصانیف | امام مالک کی اور بھی کئی تصانیف اور مؤلفات ہیں مثلاً

۱۔ رسالۃ الی ہارون الرشید فی الآداب والمواعظ۔ چونکہ اس میں بعض مناکیر ہیں اس لئے بعض لوگوں نے اس کا

انکار کردیا ہے کئی دفعہ طبع ہو چکی ہے ۔۲۔ رسالۃ الی ابن مطرف ۔۳۔ رسالۃ الی ابی غسان اس میں فتاوئی ہیں ۔۴۔ رسالۃ الی اللیث فی اجماع اہل المدینہ چونکہ اجماع اہل مدینہ کی حجیت ایک مختلف فیہ مسئلہ تھا جو ابھی تک چل رہا ہے ـــ کتاب الحجۃ۔ اس موضوع پر امام محمد کی ایک عجیب کتاب ہے جو خاص اسی موضوع پر ہے تو امام مالک نے لیث کو لکھا کہ اجماع اہل مدینہ حجت ہے اور کسی مسئلے کے لئے یہ کافی ہے۔ ۵۔ رسالۃ فی القدر الی ابن وہب۔ ۶۔ کتاب فی النجوم ۷۔ کتاب الاقضیہ ۸۔ کتاب فی المناسک جس کے بارہ میں مورخین نے لکھا ہے وھو من اکبر مؤلفاتہ جو ہماری نظروں سے ابھی تک نہیں گذرا جب کہ اکثر کتابیں معدوم ہیں ۔۹۔ کتاب فی التفسیر لغریب القرآن ۱۰۔ المدونۃ الکبریٰ موجودہ زمانہ میں سب سے ضخیم کتاب جو امام مالک کی طرف منسوب کی جاتی ہے متعدد جلدوں میں ہے اور جو فقہ مالکی کا بنیادی ماخذ ہے لیکن یہ نسبت صحیح نہیں ہے بلکہ یہ امام ابن القاسم (متوفی ۱۹۱ھ) جو تلمیذ رشید امام مالک ہیں کی مرتب کردہ ہے جس طرح کہ صاحبین نے امام ابو حنیفہؒ کے اقوال و آثار جمع کئے ہیں۔ اسی طرح ابن القاسم نے بھی فقہ مالکی کو المدونۃ الکبریٰ کی شکل میں جمع کیا ہے۔

مراسیل و بلاغات مؤطا بعض لوگ مؤطا پر یہ جرح کرتے ہیں کہ مؤطا میں مرسل اور منقطع روایات پائے جاتے ہیں لیکن یاد رہے کہ مرسل روایات ہر کتاب میں ہیں حتیٰ کہ صحیح بخاری میں بھی مرسل اور منقطع روایات موجود ہیں لیکن یہ مراسیل اور منقطعات بلا اصل و سند نہیں ہیں۔ بعض جگہ امام مالک فرماتے ہیں بلغنی تو یہ بلاغات میں سے ہے۔ اور بعض جگہ عن الثقۃ عندی اس کو گویا ایک قسم مرسل کہیں گے۔ جو کسی کو منسوب نہیں۔ اس قسم کی روایات مؤطا مالک میں تقریباً ۶۱ ہیں لیکن امام مالک کے علاوہ دوسرے علماء نے سوائے چار احادیث کے ان کی سند بیان کی ہے۔ تو یہ کوئی عیب نہیں ہے۔

مؤطا کی خصوصیات اور اصطلاحات کیونکہ مؤطا مالک اول وہ کتاب ہے جس میں صحیح اور ثقات کا تتبع اور تلاش کی گئی ہے جس کی وجہ اولاً ایک لاکھ میں پھر دس ہزار میں موجودہ مقدار باقی رکھی گئی۔ اس سے قبل کسی مجموعہ کے لئے اتنی محنت اور استقرار نہیں کی گئی تھی۔

دوسری یہ کہ امام مالک تبع تابعی ہیں تو مؤطا کی بنیاد اور دارومدار ثلاثیات پر ہے۔ جو بہت بڑی منقبت ہے۔ صحیح بخاری میں صرف ۲۲ جگہ ثلاثیات ہیں یعنی مصنف اور حضور اقدس کے درمیان صرف تین واسطے ہوں۔ جیسے مالک عن نافع عن ابن عمر ہوتا ہے مگر مؤطا کا مدار عموماً ان پر ہے۔ اور چالیس تقریباً اس میں ثنائیات ہیں (یعنی بیچ میں صرف دو واسطے ہیں) اور اکثر ثلاثیات ہیں۔ تیسری یہ کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ دونوں اس راوی سے روایت کرتے ہیں جو حافظ بھی ہو جب کہ صحیحین کے ہاں یہ شرط نہیں ہے۔

اسی طرح کہیں امام مالک فرماتے ہیں کہ :-

السنۃ التی لا اختلاف فیھا عندنا کذا وکذا۔

اس سے مراد اہل مدینہ ہیں کہ تمام اہل مدینہ اس پر متفق ہیں۔ اگر اہل مدینہ میں اختلاف ہو، متعدد اقوال ہوں تو راجح رائے اور قول کا ذکر کرتے ہیں۔ تو یہ راجحیت کثرت قائلین سے حاصل ہوگی۔ یا قوی قیاس پر بنا ہوگی۔ یا براہ راست کتاب اللہ اور سنت رسولؐ سے مستخرج ہوگی۔ اور ایسے موقع پر امام مالک فرماتے ہیں ھذا احسن ما سمعت کہ مختلف اقوال میں راجح یہ ہے

- ★ اسی طرح کسی روایت کے تحت اپنا اجتہاد بھی بیان کرتے ہیں۔
- ★ اگر کبھی مختلف مجموعوں سے انتخاب فرماتے ہیں تو بلغنی کے صیغے سے بیان کرتے ہیں۔
- ★ کبھی اخبرنی من لا اتھم من اھل العلم بصدقہ فرماتے ہیں تو اس سے مراد مصر کے جلیل القدر امام حضرت لیث بن سعد ہوتے ہیں۔
- ★ اور کبھی عن الثقۃ عن بکیر بن عبد اللہ الاشج فرماتے ہیں تو اس ثقہ سے مراد ابن عبد البر کی رائے کے مطابق مخرمہ بن بکیر ہوتا ہے۔
- ★ اور کبھی عن الثقۃ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ فرماتے ہیں تو ثقہ سے آپ کے شیخ عبد اللہ بن وہب مراد ہوتے ہیں۔
- ★ اور کبھی عن الثقۃ عن عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں۔ یہاں ثقہ سے مراد حضرت نافع ہوتے ہیں جو سلسلۃ الذھب ہے

اب اس نسخہ کے بارہ میں کچھ گذارشات ملحوظ رکھیں۔

روئی نسخہ متداولہ امام یحیٰ مصمودی | مؤطا کے متعدد نسخے ہیں۔ تقریباً ایک ہزار راویوں نے امام مالک سے روایت کی ہے۔ اس لئے اس کے نسخوں میں تقدیم تاخیر کمی بیشی اور اختلاف موجود ہے لیکن ان سب میں سے زیادہ شہرت اس متداول نسخہ کو حاصل ہے حتیٰ کہ جب موطا کا ذکر کیا جائے تو مراد اور مقصود اس سے یہی ہوتا ہے۔ حالاں کہ کئی اہم نسخے اور بھی ہیں مثلاً موطا امام محمد۔ موطا ابن وہب موطا ابن بکیر وغیرہ لیکن شئ جب مطلق ذکر ہو جائے تو مراد کامل ہوتی ہے تو اس نسخہ کے راوی کون ہیں؟ تو اس کے راوی اول الامام الشیخ یحیٰ بن یحیٰ بن کثیر بن وسلاس ابن شملل بن منقایا مصمودی اندلسی ہیں۔ یہ بربر کے مشہور قبیلے مصمودہ کی طرف منسوب ہیں۔ اس لئے مصمودی کہا جاتا ہے۔ اور صادی بھی کہتے ہیں ان کے اجداد میں سب سے پہلے منقایا یزید بن عامر لیثی کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اس نسبت ولاء موالات (ولاء اسلامی) کی وجہ سے امام یحیٰ بن یحیٰ کو لیثی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ اس ولاء اسلام کی نسبت ہے۔ ورنہ قبیلہ لیث سے انہیں کوئی تعلق نہیں ہے۔ منقایا کی اولاد میں سے یحیٰ کے دادا کثیر بن وسلاس نے پہلے اندلس میں سکونت اختیار کی۔

امام یحیٰ کے شیخ زیاد | ۱۵۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۸۲ سال کی عمر میں ۲۳۴ھ میں قرطبہ میں انتقال ہوا۔ اس

وقت قرطبہ میں امام مالکؒ کے شاگرد اور راوی مؤطا زیاد بن عبدالرحمان بن زیاد لخمی شیخ الحدیث تھے۔ یہ اول وہ شخص ہیں جس نے فقہ مالکی اور مؤطا بلاد مغرب (اندلس) میں پہنچائی۔ مغرب پر فقہ مالکی کا غلبہ ہے جس طرح عراق میں امام محمد اور امام یوسف جیسے حضرات نے فقہ حنفی پھیلائی۔ لیکن مغرب میں حنفی علماء نہ پہنچے۔ زیاد بن عبدالرحمان نے مدینہ کا سفر کیا۔ اور ان سے مذہب امام مالک ضبط کر کے اندلس کو منتقل کیا۔ زہد و تقویٰ میں ممتاز مقام کے مالک تھے۔ اندلس میں ان کا بڑا اثر تھا۔ جن کی برکت سے وہاں مؤطا رائج ہوگیا۔ آپ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ جو شریک بدر تھے کی اولاد میں سے ہیں۔

امام یحییٰ بن یحییٰ نے وہاں قرطبہ میں حضرت زیاد بن عبدالرحمان سے مؤطا کا سماع حاصل کیا۔ پھر خیال آیا کہ امام مالک خود موجود ہیں۔ تو خواہش پیدا ہوئی کہ خود امام مالک سے مؤطا پڑھوں۔ چنانچہ اس شوق سے بیس یا اس سے زیادہ برس کی عمر میں مشرق (مدینہ منورہ) کا سفر اختیار کیا۔ اور امام مالکؒ سے بالذات مؤطا سنی۔ یہ ۱۷۹ھ امام مالک کی وفات کا سال تھا۔ خوش قسمت تھے کہ امام مالک کی وفات کے وقت وہاں موجود تھے۔ ان کی تکفین و تجہیز میں شریک ہوگئے۔ امام مالک نے ایک بار خود بھی آپ کو عاقل کے خطاب سے نوازا۔ واقعہ یہ ہے کہ عرب میں کسی نے ہاتھی نہیں دیکھا تھا۔ ایک مرتبہ ہاتھی آنے کی خبر آئی اس لئے مجلس میں موجود طلبہ بھی اٹھ کر ہاتھی دیکھنے کے لئے دوڑ پڑے لیکن امام یحییٰ بن یحییٰ پوری توجہ اور انہماک سے بیٹھے رہے اور ادھر ادھر دیکھنے کی کوئی حرکت نہیں کی۔ امام مالکؒ نے اس وقت فرمایا کہ یہ طالب علم عاقل ہے جس سے ان کی عقلمندی کا چرچا ہوگیا۔ آپ امام مالک کی آخری وصیت میں بھی موجود تھے۔ امام مالک نے آخری وقت وصیت فرمائی جس کے کچھ حصے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے بستان المحدثین میں نقل فرمائے ہیں۔

امام یحییٰ فرماتے ہیں کہ امام مالک پر مرض الموت میں بے ہوشی طاری تھی اس حالت میں آنکھیں کھولیں تو فرمایا۔ الحمد للہ الذی اضحک وابکیٰ وامات واحییٰ اس اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہمیں خوشی و غم میں کبھی ہنسایا اور کبھی رلایا۔ اسی کے حکم سے زندہ رہتے ہیں اور اسی کی مرضی سے جان دیتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔ صحبت اولیاء اللہ کی وجہ سے نہایت خوش ہوں اور فرمایا اولیاء اللہ اہل علم ہیں جو تعلیم اور تعلم احادیث میں مشغول ہیں۔ اور نیز مسرور اور خوش ہوں کہ میری تمام زندگی علم کی طلب اور اشاعت علم میں بسر ہوئی۔ فرمایا۔ کہ علم شرائع و ادیان علم ثواب و عقاب اور علم حلال و حرام صرف مشکوٰۃ نبوت سے حاصل کیا جا سکتا ہے جو علماء و محدثین کو حاصل ہے بخلاف معقولات کے (ریاضی فلسفہ منطق) جن سے یہ چیز حاصل نہیں ہو سکتی۔ نیز فرمایا جو شخص علم حدیث کی طلب میں ہو تو ان کا ثواب اور کرامت انبیاء کرام کی کرامت اور ثواب کے برابر ہے۔ اور ایک حدیث کی علمی تحقیق شرح، مطالعہ اور بیان، راجح اور مرجوح معلوم کرنا اور اس کی اشاعت حج مقبول سے بہتر ہے۔ اور امام زہری جو امام مالک کے

۲۹ مسند احمد بن حنبل : ۸۲/۳

شیخ ہیں، فرمایا کرتے تھے کہ میرے نزدیک ایک سو غزوات سے بہتر ہے۔ یہ امام مالکؒ کا آخری کلام تھا اس کے بعد آنکھیں بند کر لیں اور وفات پا گئے۔

اس کے علاوہ امام یحیٰ نے ایک جلیل القدر شیخ عبداللہ بن وہب جو امام مالک کے ممتاز شاگردوں میں سے ہیں مؤطا روایت کیا اور اس کے علاوہ لیث بن سعد مصری۔ سفیان بن عیینہ اور نافع بن نعیم سے بھی اسی سال علم حاصل کیا یہ مدینہ کا پہلا سفر تھا اور اس کے بعد دوسرا سفر بھی کیا۔ دوسرے سفر میں صرف ابن القاسم (صاحب المدونۃ الکبری) سے تحصیل علم کیا۔ پہلے سفر میں روایت کو پورا کیا اور دوسرے سفر میں درایت تکمیل کی۔

امام یحیٰ نے اس سال وفات میں تمام احادیث امام مالک سے پڑھیں۔ جو حدثنا حدثنا سے ذکر ہوئی ہیں سوائے تین ابواب کتاب الاعتکاف کے شاید کوئی اشد مجبوری پیش آئی ہو تو وہ تین آپ سے نہ سنیں۔ وہ تین ابواب یہ ہیں۔

۱۔ باب خروج المعتکف الی العید۔ ۲۔ باب قضاء الاعتکاف۔ ۳۔ باب النکاح فی الاعتکاف۔

یہ زیاد بن عبدالرحمٰن کے واسطے سے روایت کی ہیں۔ جہاں حدثنا زیاد عن مالک فرماتے ہیں۔

آپ چار مسائل کے علاوہ تمام مسائل میں امام مالکؒ کے مقلد تھے اور چار مسئلوں میں لیث بن سعد کا اتباع کیا ہے۔ بلادِ مغرب میں مؤطا کی شہرت میں ان کا بڑا حصہ ہے۔

علامہ ابن حزم نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ریاست اور سلطنتوں کے سبب دنیا میں زیادہ رائج ہو گیا ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ ریاستوں اور سلطنتوں کا قیام فقہ حنفی سے تھا۔ فقہ حنفی میں صلاحیت موجود ہے جو ہر دور میں مثلاً خلافت عباسیہ مغلیہ میں دستور عمل رہا ہے اور تمام حالات میں منقح دفعہ وار مدون اور اصوب ترین فقہ حنفی ہی ہے۔

اور مغرب میں مالکی مذہب کی اشاعت اس وجہ سے ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان مشائخ کو موقعہ بخشا اور وہاں پہنچ گئے اور دوسرے علماء نہیں پہنچ سکے۔ اس لئے وہاں مذہب مالکی کا فروغ ہو گیا۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔